ٹریبیون کی دروغگوئی سے جماعت احمدیہ کیا سبق حاصل کر سکتی ہے
کانگریس سے ہمارا اختلاف قانون شکنی کی وجہ سے ہے

(فرمودہ ۶۔ جون ۱۹۳۰ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

شاید ہماری جماعت کے احباب قادیان کے بھی اور باہر کے بھی اس بات کی امید رکھتے ہوں گے کہ میں اُس خبر کے متعلق جو پچھلے دنوں میں ''ٹریبیون'' میں شائع ہوئی ہے اپنے خیالات کا اظہار کروں اور وہ تأثیر جو اِس خبر نے ہمارے احباب کے دلوں میں پیدا کی ہے اور وہ جوش جو اِس کے نتیجہ میں ان سے ظاہر ہؤا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس امر کے مستحق ہیں کہ اس کے متعلق کچھ نہ کچھ توجہ کی جائے۔ سب سے پہلے میں اپنے دوستوں کے اس خیال کو لیتا ہوں جس کا اظہار ان کی طرف سے متواتر ہؤا ہے کہ اس اخبار کے خلاف جس نے یہ خبر شائع کی ہے قانونی کارروائی کی جائے۔ لیکن میں اپنے دوستوں کو مطلع کرتا ہوں کہ اس خبر کے شائع ہونے کے دوسرے ہی روز مَیں نے ناظروں سے کہہ دیا تھا کہ اسے لکھ دیں ہم اس کے متعلق کسی قسم کی کارروائی کرنا نہیں چاہتے۔ درحقیقت ایسے فوجداری معاملات میں حکومت کی طرف رجوع کرنا ہمارے اصول کے بالکل خلاف ہے جن معاملات میں حکومت خود دست اندازی کرتی ہے اور کر سکتی ہے لیکن ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس کے متعلق رپورٹ کریں ان کے متعلق تو ہم رپورٹ کریں گے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو خواہ ہم پر کتنا ظلم اور تعدّی کیوں نہ کی جائے ہمارا رویہ یہی ہے کہ گورنمنٹ کو توجہ دلائی جائے اور اگر وہ کوئی کارروائی نہ کرنا چاہے تو ہم خود عدالت میں ہرگز نہ جائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ انبیاء کا زمانہ یَوۡمُ الدِّیۡنِ ہوتا ہے اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ

اَلْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ[1] اُس دن سچا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہوگا۔ اگرچہ دنیا میں بھی خدا تعالیٰ کا ہی فیصلہ ہوتا ہے اور قیامت میں بھی اُس کا ہی ہوگا۔ لیکن انبیاء کے زمانہ میں صداقت و انصاف چونکہ دُنیا سے مٹ جاتا ہے اور لوگ تعصب سے اِس قدر اندھے ہو جاتے ہیں کہ عدل و انصاف ان میں نام کو بھی نہیں رہتا اس لئے قرآن نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انبیاء کے زمانہ میں اگر کوئی سچا فیصلہ ہوسکتا ہے تو وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اگر عدالت میں جائیں تو ندامت اور پشیمانی ہی اُٹھانی پڑے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ ہمارے ان اعمال کی وجہ سے جو اگرچہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی رضاء حاصل کرنے کے لئے ہی کرتے ہیں لیکن جنہیں دوسرے لوگ تفرقہ اور شِقاق کا موجب سمجھتے ہیں سارے کا سارا بہ حیثیت مجموعی ہمارا مخالف ہے۔ گو بہ حیثیت افراد ان میں سے شریف لوگ ہمارے مدّاح اور خیر خواہ بھی ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارا عدالت میں جانا گویا خود اپنی عزت کو خطرہ میں ڈالنا اور اپنے وقت اور روپیہ کا ضائع کرنا ہے۔ نہ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی عدالت میں گئے اور نہ ہی ہم جانے کے لئے تیار ہیں خواہ کوئی ہمیں کتنا دُکھ دے ہم فیصلہ اللہ تعالیٰ پر ہی چھوڑیں گے اور اس میں کیا شُبہ ہے کہ اصل فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہی فیصلہ ہے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہؤا مباہلہ والوں نے کس قدر ہمیں دُکھ دیا اور تکلیف پہنچائی جس سے جماعت میں بہت جوش پیدا ہؤا اور دوستوں نے مقدمہ چلانے پر زور دیا بلکہ بعض تو مقدمہ نہ چلانے کی وجہ سے ناراض ہی ہو گئے۔ لیکن اگر مقدمہ ہماری طرف سے ہوتا تو سمجھ لو ہمارے سارے کے سارے مخالف ان کے ساتھ مل جاتے مگر خدا تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ کیسا زبردست ہے ان کے سب ساتھی قید ہو گئے' سب کو اپنی اپنی پڑ گئی اور یہ ہماری طرف سے نہیں ہؤا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس کے لئے سامان پیدا کر دیئے۔ ان کے دلوں میں گورنمنٹ کی مخالفت کا جوش پیدا ہؤا جس کی وجہ سے وہ سب پکڑے گئے باقی مستری رہ گئے ہیں جو بالکل کم حیثیت اور ذلیل لوگ ہیں۔ اصل وہی تھے جن کی شہ پر انہیں شرارتیں کرنے کی جرأت تھی۔ اور وہ گرفتار ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اخبار جو ہمارے خلاف لکھ رہے تھے ان کو بھی اپنی اپنی پڑ گئی کئی ایک تو بند ہو گئے اور جو باقی ہیں وہ بھی پریس آرڈیننس کے خوف کی وجہ سے اب کچھ لکھنے کی جرأت نہیں کرتے۔ یہ سب کچھ اگر ہماری طرف سے پچاس ہزار مقدمات بھی کئے جاتے تب بھی نہ ہوسکتا تھا لیکن

اللہ تعالیٰ نے ان کی گردنوں کو ایسا جھٹکا دیا کہ ان کے ذہنوں کے کسی گوشہ میں بھی ہماری کوئی یاد باقی نہ رہی۔ اب غور کرو بھلا ہم کب ایسا کر سکتے تھے خدا تعالیٰ نے یہ سب کچھ ایسے رنگ میں کیا کہ اس سے ہمارے خلاف بھی کوئی جوش نہیں پیدا ہؤا اگر ہماری وجہ سے ایسا ہوتا تو شور مچا دیا جاتا کہ مجسٹریٹ کو کہہ دیا ہوگا بارسوخ آدمی ہیں رشوت دے دی ہوگی' ان کے پاس بڑا روپیہ ہے یا یہ کہ بڑے آدمی ہیں گورنمنٹ ان کا لحاظ کرتی ہے اور اسی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے لیکن اب خدا تعالیٰ نے انہیں ایسا پکڑا ہے کہ ان کے لئے بہانے بنانے کا کوئی موقع ہی نہیں باقی رہا۔ اللہ تعالیٰ کی سزائیں ایسی ہوتی ہیں کہ کوئی حرف گیری بھی نہیں کرسکتا۔ ہمارا خود کرنا تو الگ رہا اگر کسی کام میں ہمارا ہاتھ بھی ثابت نہ ہو تب بھی لوگ شور مچا دیتے ہیں کہ سب کچھ ان کی وجہ سے ہی ہوا اس لئے اس معاملہ کو بھی ہم اللہ تعالیٰ پر ہی چھوڑتے ہیں ہاں ہمیں یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ ہم اس واقعہ سے کتنے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دنیا کی ساری چیزوں میں تمہارے لئے نشان ہیں اس لئے یقیناً اس میں بھی ہمارے لئے نشان ہوں گے۔ اس کے متعلق سب سے بڑی چیز جو میں دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ دشمنوں نے ہماری خانگی زندگی کے متعلق اعتراضات کئے اور یہ اعتراضات ایسے ہوتے ہیں جن کا غلط ثابت کرنا سخت مشکل ہوتا ہے۔ اور ہمارے معاملہ میں تو انہوں نے دنیا کے عام اصول کو بھی نظر انداز کر دیا۔ عام طور پر دنیا میں یہی اصل ہے کہ الزام لگانے والے کے ذمہ ثبوت ہوتا ہے لیکن ہماری مخالفت میں یہ لوگ ایسے اندھے ہو گئے تھے کہ ہم پر ہی الزام لگائے جاتے تھے اور ہمیں ہی کہا جاتا تھا کہ ثبوت دو یہ غلط ہیں۔ گویا روزمرہ کی گفتگو اور طرزِ عمل' عقل وفہم' علم اور منطق وغیرہ سب سے کورے ہو کر ہم پر ہی یہ جرح کرتے تھے کہ ثبوت لاؤ کہ تم سچے ہو۔ جو باتیں گھروں سے تعلق رکھتی ہیں ان کا انسان کیا ثبوت دے سکتا ہے۔ مگر وہ لوگ یہی پیش کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے ہونے کا ثبوت ایسے رنگ میں مہیا کر دیا جس سے انکار کسی صورت میں بھی نہیں ہوسکتا۔ یعنی انہوں نے ایک ایسی خبر شائع کرائی جس کے متعلق انہیں پوری طرح علم تھا کہ کل ہی بلکہ گھڑی دو گھڑی بعد ہی غلط ثابت ہو جائے گی۔ اس لئے غور کرنا چاہئے کہ جو ایسے موقع پر بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں رہ سکتا جہاں اس کے جھوٹ کا بہت جلد ظاہر ہو جانا یقینی ہے وہ دوسرے مواقع پر جب جھوٹ کا جلد ظاہر ہو جانا یقینی نہیں ہوتا کب باز رہ سکتا ہے۔ پس اس سے ایک بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ ہم

پر الزام لگانے والے خواہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو اطلاعات باہر سے آئی ہیں ان سے دشمنوں کا منہ کالا ہو گیا ہے۔ اگرچہ حق کے دشمنوں کے چہروں پر سیاہی تو پہلے ہی ہوتی ہے مگر اس سے وہ اور بھی روسیاہ ہو گئے ہیں۔ ہمارے مخالف یہ کہتے تھے کہ دراصل ساری جماعت خلیفہ کی مخالف ہے صرف چند ایک مقامی لوگ جو ایک جگہ بیٹھ کر چندہ تقسیم کر لیتے ہیں موافق ہیں مگر اس خبر نے جماعت پر جو اثر کیا اس سے مخالفوں کے منہ بالکل سیاہ ہو گئے۔ اگر جیسا کہ یہ لوگ مشہور کر رہے تھے جماعت مخالف ہوتی تو چاہئے تھا کہ اس خبر کو سن کر شکریہ کے ریزولیوشن پاس کئے جاتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بلا سے نجات دی مگر اس موقع پر جماعت نے جو رویہ اختیار کیا وہ بتاتا ہے کہ ہماری جماعت محبت اور اخلاص کے ایسے اعلیٰ مقام پر ہے جس کی نظیر عظیم الشان نبیوں کی جماعتوں کے سوا کہیں نہیں مل سکتی۔ میرے پاس ڈاک سے جو واقعات آئے ہیں اور جو باتیں دوستوں نے زبانی سنائی ہیں وہ ایسی ہیں کہ انہیں سُن کر دنیا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں۔ درحقیقت وہ دن جب تک اس خبر کی تردید نہ ہو گئی معتدبہ لوگوں کے لئے ایسا تھا کہ گویا قیامت برپا ہو گئی ہے۔ اگر واقعہ میں جماعت کے اندر سے اخلاص مٹ چکا تھا' اس کا خلیفہ سے کوئی تعلق نہ تھا' وہ خلیفہ کو مصیبت سمجھتی تھی تو یہ جوش کیوں پیدا ہوُا۔ باہر تو باہر خود قادیان کے لوگوں کی حالت یہ تھی کہ میرے گھر والوں نے سنایا ایک عورت میرے پاس سے اُٹھ کر گئی اُس کا لڑکا لاہور سے اسی وقت آیا اور اس نے سنایا وہاں ایسی خبر مشہور ہے۔ وہ عورت اُسی وقت دوبارہ لوٹ کر آئی اور جب تک آپ کی صحت کے متعلق مجھ سے دریافت نہ کر لیا اسے تسلّی نہ ہوئی۔ اور باہر سے آنے والوں کی حالت یہ تھی کہ باوجودیکہ اس کی تردید ہو چکی تھی مگر وہ یہی کہتے تھے جب تک ہم خود دیکھ نہ لیں ہمیں چین نہیں آئے گا۔ مجھے اس دن سر درد کا دورہ تھا مگر آنے والے دوستوں سے ملنا پڑتا تھا۔ اِس سے دشمنوں پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ محبتِ سلسلہ اور محبتِ امام سے جماعت عاری ہو چکی ہے بالکل جھوٹ ہے بلکہ وہ زیادہ ترقی کر رہی ہے۔ تیسری چیز جو اس سے ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے جیسا کہ باہر کی جماعتوں نے اطلاع دی ہے اور بہت سی جگہوں سے خبریں آئی ہیں کہ نہ صرف جماعت کے لوگ بلکہ دوسرے لوگ بھی جو سلسلہ کے قطعاً خلاف ہیں اس خبر سے پریشان تھے بلکہ بعض جگہ پر تو دوسرے مسلمانوں کا معتدبہ حصہ ہماری جماعت کے ساتھ غم میں ایسا شریک تھا کہ گویا خود ان

کے اپنے گھروں میں کوئی مصیبت ہے۔ اور ایک دوست نے بتایا کہ ایک پرنسپل صاحب یہ سن کر کھانا نہ کھا سکے۔ بعض جگہ غیر احمدی عورتیں اور بچے بھی اس خبر کو سن کر رو رہے تھے بلکہ بعض جگہ تو ہندو بھی غم میں شریک ہوئے۔ اور مسلمانوں نے اس امر کا اعتراف کیا کہ اگرچہ ہمیں اصولی اختلاف ہیں لیکن دوسرے امور میں مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچ رہا تھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت، آپ کا رُعب اور ادب و احترام دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی گھر کر چکا ہے کیونکہ یہ کام دراصل حضور کا ہی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ لوگ کسی ڈر یا رُعب کی وجہ سے یا شرم وحجاب کے باعث یا دنیاوی ترقیات سے محروم ہو جانے کے خیال سے یا دوستوں اور عزیزوں کے چھوٹ جانے کے خوف کے باعث جماعت میں داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکیں۔ روحانی نظر والے کے لئے اس میں ایک اور بھی نشان ہے۔ انبیاء کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مُردوں کو زندہ کیا کرتے ہیں یہ نشان ہماری جماعت میں بھی ظاہر ہوا ہے اور ایسا مُردہ زندہ ہوا ہے جس کے متعلق پہلے خود دشمن نے اقرار کیا کہ مر گیا ہے اور پھر خود اعلان کیا کہ وہ زندہ ہے اور یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس کا اعتراف خود دشمن نے کیا یعنی مُردہ ہونے کی بھی اس نے شہادت دی اور پھر زندہ ہونے کی بھی۔ اور روحانی طور پر یہ بھی ایک معجزہ ہے اور یہ صرف لطیفہ ہی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پچھلے دنوں بہت سے دوستوں نے نہ صرف پنجاب میں بلکہ دوسرے مقامات پر بھی ایسے خواب دیکھے کہ گویا انہوں نے میرے مرنے کی خبر سنی ہے جس سے ان کے دلوں میں غم پیدا ہوا اور انہوں نے بہت زور سے دعائیں شروع کر دیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ دعا سے تقدیر کو بھی ٹال دیتا ہے ہاں جب اس کی تقدیر ایسے مقام پر پہنچ جاتی ہے کہ اس کا بدلنا وہ مناسب نہیں سمجھتا تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ دعاؤں کو کسی اور رنگ میں پورا کر دیتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ دعائیں اِس قدر زور اور اس قدر اخلاص سے پُر ہوتی ہیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنی تقدیر بدلنی پڑتی ہے۔ اگر تو دعائیں غالب آ جائیں تو وہ تقدیر کو کسی اور رنگ میں پورا کر دیتا ہے اور اگر تقدیر ایسے مقام پر پہنچ چکی ہو کہ وہ دعاؤں پر غالب ہو تو پھر دعاؤں کو کسی اور رنگ میں پورا کر دیتا ہے۔ اس کی میں ایک ایک مثال سُنا دیتا ہوں۔ ایک شخص کے متعلق جو سپیرا تھا لکھا ہے کہ اس نے ایک نہایت عمدہ قسم کا سانپ پکڑا جو رات کو کہیں غائب ہو گیا چونکہ اس کے ذریعہ بہت کچھ فوائد حاصل کرنے کی وہ امیدیں اپنے دل میں رکھے ہوئے تھا اس لئے اس کے کھوئے

جانے کا اسے بہت صدمہ ہوا اور اس نے بہت رو رو کر اس کے دوبارہ مل جانے کے لئے دعائیں کرنا شروع کیں لیکن سانپ نہ ملاحتّٰی کہ اس کے دل میں شُبہ پیدا ہوا کہ یہ دعا قبول نہیں ہوسکتی۔ اِس پر اُس نے کہا خدایا! میں نے اتنی دعائیں کی ہیں پھر میرا سانپ کیوں نہیں ملتا اُسی وقت آدمی اس کے پاس بھاگا ہوا آیا کہ فلاں آدمی کو سانپ نے کاٹ کھایا ہے اور وہ مر گیا ہے۔ ان لوگوں کے ہاں قاعدہ ہے کہ جب کوئی سانپ کسی کو کاٹے تو سب کو دکھا دیتے ہیں کہ سب اس سے ہوشیار رہیں نیز اُس وقت تک اگر اُس کا تریاق معلوم نہ ہو تو اُسے معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ یہ شخص اس کے مکان پر گیا گھر والوں نے سانپ کو پکڑ کر بند کر رکھا تھا۔ جب اُس نے جا کر کھولا تو وہ وہی سانپ تھا جس کے لئے وہ اِس قدر دعائیں کرتا رہا اور معلوم ہوا کہ وہ اِس قسم کا سانپ ہے جس کے زہر کا تریاق اُس وقت تک انہیں معلوم نہ تھا۔ اُس وقت اسے اپنی دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا باعث معلوم ہوا اور اُس پر یہ بات کُھلی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ پیر عبدالقادر جیلانیؒ نے خواب میں دیکھا ان کا ایک مرید کسی کافرہ عورت کے پیچھے مرتد ہوگیا ہے۔ چونکہ وہ مُرید ان کا مُحبِّ خاص تھا اس لئے اس کے لئے آپ نے بہت دعائیں کیں مگر ہر دفعہ یہی الہام ہوا کہ یہ تقدیر مبرم ہے ٹل نہیں سکتی مگر آپ پھر بھی یہی دعا کرتے رہے کہ خدایا! تُو اگر چاہے تو اسے بھی ٹال سکتا ہے۔ آخر جب ان کی دعا انتہاء کو پہنچ گئی تو انہیں الہام ہوا ہم نے تیری دعا بھی قبول کر لی اور تقدیر کو بھی پورا کر دیا۔ صبح انہوں نے اس مرید کو بلایا اور اس سے کہا میں نے آج تک تو تمہیں بتایا نہیں لیکن اب بتاتا ہوں کہ اس طرح خواب دیکھا تھا اور دعائیں کرتا رہا یہ جواب ملتا رہا لیکن آج یہ الہام ہوا ہے تم بھی بتاؤ کہ آخر کیا ماجرا ہے اس نے کہا بات یہ ہے میں ایک یہودن پر عاشق تھا وہ کہتی تھی کہ تُو اگر یہودی ہو جائے تو تیری خواہش پوری ہوسکتی ہے اور عشق کے جذبہ کی وجہ سے میرے دل میں بھی یہ خیال آتا تھا کہ یہودی ہو جاؤں اور قریب تھا کہ اسلام کو خیر باد کہہ کر یہودی ہو جاؤں کہ آج رات وہ خواب میں مجھ سے ملی اور مجھے اُس سے یکدم نفرت ہوگئی۔ گویا اس طرح اللہ تعالیٰ نے دونوں باتیں پوری کر دیں رؤیا کو بھی اور دعاؤں کو بھی۔ اسی طرح یہاں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ رؤیا بھی پورے کر دیئے جو دوستوں نے میری موت کے متعلق دیکھے تھے اور پھر ان کی دعاؤں کو بھی قبول کر لیا۔ ایک اور سبق بھی ہم اس سے

حاصل کر سکتے ہیں اِس خبر کے پھیلنے سے معلوم ہوا ہے کہ گو ہمارا نظام وسیع ہے لیکن ایسی خبر کی صحت معلوم کرنے کے لئے اگر ہمارے پاس ذرائع ہوتے تو شاید دوستوں کو اِس قدر پریشانی نہ ہوتی جواَب ہوئی ہے۔ ابھی ایک دوست نے سنایا کہ مجھے آج راستہ میں اس کی تردید ہوئی ہے۔ اور اسی طرح باہر سے کئی ایک چٹھیاں اس کی صحت یا عدمِ صحت کے متعلق آج بھی وصول ہوئی ہیں اور کئی اصحاب ایسے بھی ہیں جن کو ابھی تک بھی کوئی اطلاع نہیں ہوگی اس لئے ہمیں چاہئے کہ جماعتوں کو ایسے مرکزوں میں تقسیم کردیں کہ ہر جگہ فوراً اطلاع ہو سکے۔ اصل مرکز قادیان سے ہر ایک کو اطلاع دینا بہت مشکل ہے۔ اسی خبر کے متعلق اگر قادیان سے ہی تمام جماعتوں کو تار دیئے جاتے تو پانچ چھ ہزار روپیہ خرچ آ جاتا لیکن اگر علاقے ایسی طرز پر تقسیم ہوں کہ جو بھی اطلاع جماعتوں کو دینی ہو اس کے متعلق ہر علاقہ کے مرکز میں تار دے دیا جائے۔ اور وہاں سے والنٹیئر سائیکلوں پر یا کسی اور ذریعہ سے اردگرد کے تمام مقامات پر فوراً اطلاع پہنچا دیں تو بہت جلد بات پہنچائی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اگر ایسا انتظام کر دیا جائے کہ ایسے موقع پر دوست مثلاً لاہور میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے فون پر دریافت کرلیں اور ہر وقت وہاں ایک آدمی جواب دینے کے لئے موجود رہے تو بھی بہت سی پریشانی سے نجات ہوسکتی ہے۔ یا پھر ایسی صورت میں خاص مقامات پر تار دیئے جائیں اور باہر کی جماعتیں بجائے قادیان تار دینے کے وہاں تار دیکر دریافت کریں تو آسانی کے علاوہ جلد خبر معلوم ہوسکتی ہے۔ قادیان ایک ایسی جگہ ہے جہاں تار لینے کے لئے صرف ایک آدمی ہوتا ہے اسی طرح راستہ میں بٹالہ میں بھی ایک ہی آدمی ہے۔ اور اسی موقع پر معلوم ہوا اس نے عصر کے وقت کہہ دیا کہ میرے ہاتھ شل ہو چکے ہیں اِس سے زیادہ تار مَیں اب نہیں دے سکتا باقی کل دوں گا اور اس طرح کئی ایک تار نہ تو یہاں اس دن پہنچ سکے اور نہ ہی بھیجنے والوں کو کوئی جواب مل سکا کیونکہ راستہ میں بھیجنے والا صرف ایک ہی آدمی تھا۔ اس لئے اگر ایسا انتظام ہو جائے کہ دہلی لاہور وغیرہ بڑے بڑے مقامات پر فوراً اطلاع یہاں سے دے دی جائے اور باہر کی جماعتیں بجائے قادیان سے تصدیق کرنے کے وہاں سے دریافت کریں تو بہت جلد جواب مل سکتا ہے کیونکہ بڑے سٹیشنوں پر بہت سے آدمی تار لینے والے ہوتے ہیں اور وہاں کوئی دقّت پیش نہیں آتی۔

پس ضرورت ہے کہ دفاتر ایسا انتظام کریں کہ جماعتیں مختلف حلقوں میں تقسیم ہو جائیں اور

اردگرد کی جماعتیں ضرورت کے موقع پر وہاں سے اطلاع حاصل کریں۔ مثلاً لاہور، دہلی، راولپنڈی، پشاور، جالندھر، ملتان وغیرہ مقامات پر یہاں سے اطلاع دے دی جائے اور ہر جماعت اپنے قریبی مرکز سے معلوم کرلے۔ اگر ہمارا خبر رسانی کا انتظام ایسا ہوتا تو تین جون کو ہی ہر جگہ اطلاع ہو جاتی لیکن اب تو یہ ہؤا کہ بعض لوگوں کو واپسی تار دیئے اَڑتالیس اَڑتالیس گھنٹے ہو گئے لیکن کوئی جواب نہ ملا کیونکہ تار والے آہستہ آہستہ اور باری باری کام کر رہے تھے۔ اُدھر دوستوں کو اِس قدر پریشانی تھی کہ کئی ایک کے دل گھٹنے شروع ہو گئے اور بعض کو تو باوجودیکہ اطمینان ہو چکا تھا کہ یہ خبر غلط ہے مگر انہیں دھڑ کے کی بیماری ہوگئی۔ اگر ایسا انتظام ہوتا کہ انہیں وقت پر اطلاع مل سکتی تو ان کی صحت پر ایسا ناگوار اثر نہ پڑتا۔ پس دفاتر کو چاہیے ایسا انتظام کریں کہ تمام جماعتوں کو فوراً اطلاع پہنچائی جا سکے اور گاؤں اور دیہات میں جلد از جلد خبر دی جا سکے۔ زمانہ کے حالات کے لحاظ سے بھی ایسے انتظام کی اشد ضرورت ہے۔ ابھی ہم سن رہے ہیں کہ اِردگرد کے سکھ قادیان پر حملہ کرنے کے منصوبے کر رہے ہیں ایسے مواقع کے لئے بھی ضروری ہے کہ ہر جگہ پر فوراً اطلاع پہنچانے کا انتظام کیا جا سکے۔ ایسی شورش کے زمانہ میں جب دشمن نے ہمیں ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے زیادہ ضرورت ہے کہ ہم جماعت کو اور زیادہ منظّم کریں۔ پھر سب سے بڑا سبق جو ہم اس سے حاصل کر سکتے ہیں یہ ہے کہ درحقیقت دنیا ہمیں ہر ہتھیار سے نقصان پہنچانا چاہتی ہے جو بھی ذریعہ اس کے بس میں ہو اُس سے ہمیں وہ دکھ دینا چاہتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم خدا کے حضور دعاؤں میں لگ جائیں اور عجز و انکسار پر زیادہ زور دیں۔ اور اصل بات تو یہ ہے مؤمن کا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ہوتا ہی نہیں۔ وہی ہے جو مؤمن کی حفاظت کرتا ہے باقی ساری دنیا کی دوستیاں یوں بھی فضول ہیں لیکن مؤمن کے لئے تو وہ بالکل ہی فضول ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مومن سے دشمنی کی ایک ہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ کہتا ہے اللہ میرا رب ہے[۲] اللہ کو رب کہنے کی وجہ سے ہی دنیا اس کی مخالف ہوتی ہے۔ اور اس میں کیا شُبہ ہے کہ اِس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کو رب کہنے والے ہم ہی ہیں اس لئے جتنے بھی خدا تعالیٰ کی ربوبیت کے دشمن ہیں خواہ جھوٹے معبودوں کی پرستش کرنے والے ہوں خواہ وہ دہریئے ہوں ہماری مخالفت میں سب جمع ہو گئے ہیں۔ پس اس موقع پر ہمیں اور بھی زیادہ خدا تعالیٰ کی طرف جُھکنا چاہئے، کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے لئے ہی دنیا سے لڑائی مول لی ہے اور اگر اس سے بھی ہمارا

گہرا تعلق نہ ہُوا تو ہماری وہی مثال ہوگی ’’نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔‘‘ دنیا ہمیں چھوڑ چکی ہے کیونکہ ہم منہ سے کہتے ہیں ہم دنیا کے نہیں بلکہ خدا کے ہیں۔ اس طرح ہماری زبانوں نے تو دنیا کو دشمن بنا لیا لیکن اگر ہمارے دلوں نے خدا کو دوست نہ بنایا تو ہمارے لئے کون سی جگہ ہو گی۔ پس آؤ کوشش کریں کہ ہمارے دل خدا تعالیٰ کو دوست بنائیں اور اگر ہم دل سے خدا تعالیٰ کو اسی طرح دوست بنانے میں کامیاب ہو گئے جس طرح زبانوں سے دنیا کو دشمن بنا چکے ہیں تو یقیناً ہماری فتح میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ اس وقت دشمنوں کی دشمنیاں اور معاندین کی عداوتیں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی کیونکہ خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ہوتا ہے دشمن کی دشمنی اس کی شان بڑھانے کا ہی موجب ہوتی ہے گھٹانے کا نہیں۔ ایک ایسا انسان جس کا تعلق خدا تعالیٰ سے نہ ہو دشمن جب اُسے گرفت کرتا ہے تو وہ نقصان اٹھاتا ہے لیکن جس کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہو دشمن کی دشمنی سے اُس کی شان بڑھتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کو دیکھ لو۔ سب سے زیادہ آپ کی شان ظاہر کرنے والے وہی مواقع ہیں جب زیادہ دشمنوں نے آپ کو گھیرا۔ جنگ بدر، اُحد، غزوہ حنین اور احزاب یا جب آپ جنگل میں اکیلے سوئے ہوئے تھے اور صحابہ کرام بھی اس خیال سے کہ اس علاقہ میں ہمارا کوئی دشمن نہیں اطمینان سے سو رہے تھے اُس وقت ایک دشمن آیا اور تلوار ہاتھ میں لیکر آپ کو جگایا اور پوچھا بتاؤ اس وقت تمہیں کون بچا سکتا ہے۔ ایسے موقع پر جب جان بچنے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی آپ نے نہایت سادگی سے جب یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ۔ تو وہ کانپ اُٹھا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ پھر آپ کے عفو کو دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔[۳] تو مؤمن کی شان کا زیادہ مظاہرہ اُسی وقت ہوتا ہے جب جان کیلئے زیادہ خطرہ ہو اور دراصل مؤمن اور غیر مؤمن میں یہی فرق ہے کہ دشمن کے منصوبہ سے غیر مؤمن کی طاقت کم ہوتی ہے مگر مومن کی طاقت اور بھی بڑھتی ہے اور وہ نئی طاقت اور شوکت لیکر نکلتا ہے۔

اِس واقعہ سے ہی جماعت کی ایمانی حالت بہت بڑھ گئی ہے۔ ایک دوست نے لکھا ہے میرے اندر پہلے زیادہ سُستی تھی مگر اب میں دیکھتا ہوں گویا ایک نیا انسان بن گیا ہوں اسی طرح ایک اور نے بیان کیا- میں اپنے اندر ایک نئی روحانی زندگی محسوس کرتا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ کا فضل جب شامل ہو تو ہر مصیبت میں بہتری کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہم پر متواتر حملے کئے جا رہے ہیں پہلے گندے سے گندے اتہامات لگائے گئے اور اب موت کی خبر مشہور کی گئی مگر خدا تعالیٰ

کا فضل ہے کہ جماعت بجائے پیچھے ہٹنے کے اور بھی آگے بڑھ رہی ہے کئی دوستوں کے خطوط آئے ہیں کہ اب خلافت کی عظمت اور ضرورت ہمارے دلوں میں سینکڑوں گنا زیادہ ہوگئی ہے۔ دشمن نے سوچا تھا کہ اس منصوبہ سے جماعت میں تفرقہ پیدا کردے اور اسے کمزور کردے اگر جیسا کہ دشمن بیان کرتے ہیں، جماعت کے لوگوں میں منافقت ہوتی تو فوراً وہ مجاہد جن کا ذکر وہ بار بار کرتے ہیں آگے آتے اور خلافت پر قبضہ کرکے جماعت کو تتر بتر کر دیتے لیکن ایسا ہونے کے بجائے جماعت کا ہر فرد اس خبر کے بعد اس طرح محسوس کر رہا ہے گویا وہ غسل کرکے باہر نکلا ہے اور بجائے پراگندگی کے جماعت میں مضبوطی پیدا ہو رہی ہے۔ تو مؤمن کے لئے مصیبت رحمت کا موجب اور اسے اللہ تعالیٰ کے اور بھی قریب کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے پھر وہ ہمارے لئے کیوں نہ ہوتی۔ جن کا آقا وہ ہے جس کے لئے خدا تعالیٰ فرما چکا ہے آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔[۴] دشمنوں نے ہمارے لئے ایک آگ مشتعل کی تھی اور چاہا تھا کہ ہم کو جلا دیں مگر اس آگ نے ہمیں جلانے کے بجائے ہمارے لئے کھانے تیار کئے اور دشمنوں کے دلوں کو جلایا۔

پس خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات مضبوط کرو کیونکہ دنیا ہماری دشمن ہے۔ میرا خیال ہے اِس خبر کی اشاعت میں کانگریس کا دخل بھی ہے۔ میں چونکہ ایسے خطبات دے رہا تھا جن میں ان کے خیالات کی تردید ہوتی تھی اس لئے اگر اس جمعہ میں مَیں نے کانگریس کے متعلق کچھ نہ کہا تو ممکن ہے وہ سمجھیں ہم نے کم از کم ایک ہفتہ کے لئے تو اسے خاموش کرا دیا اس لئے میں اِس ہفتہ بھی اس کے متعلق اظہارِ خیالات سے باز رہنے سے انکار کرتا ہوں اور آج میں اِس کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتا ہوں جس کے متعلق بہت کم توجہ کی گئی ہے اور جو میرے نزدیک بہت اہم ہے۔ وہ سوال سید حسرت موہانی صاحب نے اُٹھایا ہے۔ جہاں تک میں ان سے مِلا ہوں وہ ہوشیار اور ذہین آدمی ہیں گو سیاسی خیالات میں میرا ان سے شدید اختلاف ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے اندر قربانی کا مادہ ہے اور یہ بات بہت قابلِ قدر ہے خواہ مخالف میں ہی پائی جائے۔ انہوں نے یہ سوال پیش کیا ہے کہ اگر مسلمان یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کانگریس سے عدمِ تعاون کریں گے کیونکہ وہ ہمارے حقوق تسلیم نہیں کرتی تو انہیں یہ بھی فیصلہ کر لینا چاہئے کہ وہ گورنمنٹ سے بھی عدم تعاون کریں گے کیونکہ وہ بھی تو ان کے حقوق تسلیم نہیں کرتی۔ پس مسلمانوں کو فیصلہ کرنا چاہئے کہ وہ دونوں سے تعاون نہیں کریں گے اور اس صورت میں مَیں بھی مسلمانوں کے

ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔

اس تعصّب کی وجہ سے جو عام طور پر مسلمانوں کے اندر کانگریس کے خلاف پیدا ہو چکا ہے اس بات کی طرف بھی غالباً مسلمانوں نے توجہ نہیں کی حالانکہ یہ بات بہت ضروری ہے۔ اس میں کیا شُبہ ہے کہ جس طرح کانگریس یہ کہتی ہے کہ اقلیتوں کے جذبات کا احترام کیا جائے گا اسی طرح گورنمنٹ بھی کہتی ہے۔ اس بارے میں دونوں میں ذرّہ بھر فرق نہیں اور اس وجہ سے یہ مطالبہ بالکل صحیح ہے کہ اگر اس بناء پر کانگریس سے قطع تعلق کرتے ہو کہ کانگریس مسلمانوں کے حقوق کے متعلق کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی تو گورنمنٹ سے کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے یہ سوال علی برادران سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر آپ میری تسلی کر دیں تو میں کانگریس سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ اِس سوال کے دو پہلو ہیں ایک تو صرف علی برادران سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا ہم سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ جو حصہ اُن سے تعلق رکھتا ہے اس کا جواب تو نہایت آسان ہے یعنی فی الواقع ان کی پوزیشن اِس وقت یہی ہے کہ وہ کسی سے بھی تعاون نہیں کر رہے۔ انہوں نے یہی اعلان کیا ہے کہ ہم کانگریس کی ہڑتالوں اور ان کے جلوسوں میں شامل نہیں ہوں گے اور یہی عدمِ تعاون وہ گورنمنٹ سے بھی کر رہے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ وہ پولیس کے ساتھ مل کر کانگریسیوں کی سرکوبی کے لئے گئے ہوں وہ نہ کانگریس کی مدد کرتے ہیں اور نہ گورنمنٹ کی اس لئے ان پر تو یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا۔ ہاں ہم پر ایک حد تک یہ سوال پڑتا ہے۔ اور گو ہمیں اس میں مخاطب نہیں کیا گیا مگر ہم پر یہ سوال ہو سکتا ہے کیونکہ ہم نہ صرف کانگریس کے جلسوں اور جلوسوں وغیرہ میں شامل نہیں ہوتے بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ضرورت ہوئی تو ہم عملاً بھی کانگریس کا مقابلہ کریں گے اور جہاں تک ممکن ہے اب بھی کرتے ہیں۔ اگر کوئی ہڑتال کرے تو ہم اسے یہی تلقین کرتے ہیں کہ دُکان کھول دو اس لئے ہم پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر کانگریس کے ساتھ شامل نہیں ہوتے تو گورنمنٹ سے کیوں تعاون کرتے ہو۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ غلط ہے کہ ہم کانگریس سے اِس وجہ سے علیحدہ ہیں کہ وہ ہمارے حقوق اور مطالبات تسلیم نہیں کرتی بلکہ اِس وجہ سے الگ ہیں کہ وہ ایسے طریق اختیار کر رہی ہے جو ہمارے نزدیک مذہب اور اخلاق کی جڑھ کو کھوکھلا کرنے والے اور سیاسیات کو تباہ کرنے والے ہیں۔ کانگریس کا فیصلہ ہے کہ قانون شکنی کی جائے اور یہ چیز خواہ کتنے ہی اعلیٰ خیالات کی تائید میں کیوں نہ ہو بُری ہے کیونکہ اس کے لئے کوئی ایسا

معیار نہیں کہ کس حکومت اور کس زمانہ میں کس حد تک قانون شکنی جائز ہے اور کہاں نہیں۔ کیونکہ جب تک تمام انسان اپنی اولادوں کو مار کر اور اپنے گھروں کو آگ لگا کر جنگلوں میں جا کر ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ علیحدہ نہ رہیں اُس وقت تک ضرور ہم کسی نہ کسی قانون کے محتاج ہیں اور اس کی پابندی دوسروں سے کرانے پر مجبور ہوں گے۔ بڑے سے بڑے حریت کی تعلیم دینے والے بھی کسی نہ کسی قانون کی پابندی ضرور کرتے ہیں۔ جنہوں نے سوشلزم اور بولشوزم کی کتابیں پڑھی ہیں وہ تو اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں لیکن جنہوں نے ان کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا وہ شاید نہ سمجھ سکیں کہ کوئی شخص جتنا زیادہ حریت کی تعلیم دیتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ قانون کا پابند ہوتا ہے۔ سوشلزم میں تو زیادہ زور اس پر ہے کہ تمام کانیں گورنمنٹ کے تصرف میں ہونی چاہئیں پھر وہ کہتے ہیں تعلیم حاصل کرنا ہر ایک کا حق ہے اور اس کا انتظام گورنمنٹ کے ذمہ ہے اِسی طرح مکانات کا مالک بھی وہ گورنمنٹ کو ہی قرار دیتے ہیں۔ اب جس تحریک کے ماتحت یہ انتظام ہو اُس کے احکام کی تو اور بھی زیادہ پابندی کرنی پڑے گی وہاں تو بچوں اور مکانات کے متعلق بھی انسان کو آزادی نہیں ہوگی۔ مگر آپ لوگ یہاں ان باتوں میں آزاد ہیں جو تعلیم چاہیں اپنے بچوں کو دیں مگر سوشلزم کی صورت میں یہ بات آپ کے اختیار میں نہیں ہوگی۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ان کے بعض فریق یہ نہیں کہتے لیکن ترقی یافتہ یہی کہتے ہیں۔ پھر ہمیں آزادی ہے کہ جیسے مکان چاہیں تعمیر کریں لیکن جہاں گورنمنٹ کے دیئے ہوئے مکان میں گزارہ کرنا پڑے وہاں تو پابندیاں بہت بڑھ جائیں گی۔ اسی طرح بولشوزم کا حال ہے اس تحریک کے ماتحت بھی اولاد کو انسان اپنے حسبِ منشاء تعلیم نہیں دے سکتا۔ میں نے روس سے آنے والوں سے پوچھا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح وہاں کے مسلمانوں کو جبراً مذہب سے روکا جاتا ہے اور وہ لوگ کس طرح اس جبر کو برداشت کر لیتے ہیں کیا وجہ ہے کہ ابتداء میں ہی مسلمانوں نے اِس کے خلاف بغاوت نہ کی۔ کئی ایک تو اِس سوال کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے لیکن ایک نے ان میں سے بہت لطیف جواب دیا اُس نے کہا کہ وہ براہِ راست ایسا نہیں کرتے اگر ایسا ہوتا تو یقیناً شروع میں ہی مسلمان بغاوت کر دیتے۔ بات یہ ہے کہ وہاں بچوں کی تعلیم حکومت کے ذمہ ہے تمام بچے سرکاری انتظام کے ماتحت سکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ وہاں جا کر اگر کوئی مسلمان یہ شکایت کرے کہ میں مسلمان ہوں لیکن میرا لڑکا نماز نہیں پڑھتا یا قرآن نہیں پڑھتا اسے اس کیلئے

تاکید ہونی چاہئے تو ہیڈ ماسٹر کہے گا تم خود پانچ کی جگہ پچاس نمازیں پڑھو تمہیں کوئی منع نہیں کرے گا اور سارا دن قرآن پڑھتے رہو کوئی نہیں روکے گا لیکن یہ بچہ ابھی ناواقف ہے اِس کا دماغ ایسا نہیں جو فیصلہ کر سکے کہ عیسائیت اختیار کرے یا اسلام یا کسی اور مذہب کو یا دہریہ ہی رہے ہم اسے آزاد تعلیم دیتے ہیں پھر بڑا ہو کر جو مذہب اسے پسند ہوگا اختیار کرلے گا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ جسے کوئی مذہبی تعلیم نہ دی جائے گی وہ دہریہ ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کے متعلق علم باہر سے آتا ہے اور ایسے لڑکے جب بڑے ہوتے ہیں تو وہ پورے دہریہ نکلتے ہیں۔ پس جتنی زیادہ کوئی قوم حُریّت کی تعلیم دینے والی ہوگی اتنی ہی زیادہ اس میں قواعد کی پابندی ہوگی۔ اور جب تک انسان دنیا میں ہے اسے قانون کی پابندی کرنی ہی پڑے گی کیونکہ اس کے بغیر انسانیت قائم ہی نہیں رہ سکتی اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی خوبی کا انکار نہیں ہوسکتا۔ پس وہ تحریک جو قانون کی جڑھ پر تبر رکھتی ہے وہ کبھی مفید نہیں ہوسکتی۔ دنیا میں خواہ کوئی تحریک بھی ہو یہ بات سب میں مشترک ہے کہ انسان کے لئے قانون کی پابندی اشدّ ضروری ہے۔ چور اور ڈاکو بھی قانون کی پابندی سے آزاد نہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل سنایا کرتے تھے میں نے ایک چور سے پوچھا چوری کرنے کے لئے کتنے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نے کہا اچھی کامیاب چوری کے لئے کم از کم پانچ آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے کہا پانچ آدمیوں میں سے اگر کوئی مال کھا جائے تو کیا ہوگا۔ اس نے کہا کہ ایسے بددیانت کو ہم سخت سزا دیں گے۔ تو چور اور ڈاکو بھی ایک قانون کے پابند ہوتے ہیں یعنی قانون شکنوں میں بھی قانون کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ انارکسٹ جو بظاہر خطرناک قانون شکن ہوتے ہیں ان میں بھی اتنی پابندی ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی ممبر کے ذمہ لگائیں کہ کسی شخص کو مار دے تو اس پر دو تین نگران مقرر کرتے ہیں کہ اگر وہ اس سے قاصر رہے تو اسے قتل کر دیں۔ غرض قانون کی پابندی ایک ایسی چیز ہے جو انسان سے کسی صورت میں بھی جُدا نہیں ہوسکتی اس کے بغیر مذہب' سیاست' تمدن غرضیکہ کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ جو قانون شکنی کرتے ہیں ان کے لئے بھی بعض حد بندیاں ہوتی ہیں مگر کانگریس تو بغیر کسی حد بندی کے قانون شکنی کی تعلیم دیتی ہے اس لئے کوئی قوم بھی جو تعصّب سے اندھی نہ ہو جائے وہ اس تحریک کی حمایت نہیں کرسکتی۔ اس تحریک کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں مذہب کے خلاف جوش بڑھ رہا ہے پنڈت جواہر لال نہرو نے تو اعلان کیا ہے کہ میرا سب سے اوّلین مقصد یہی ہے کہ

ہندوستان سے مذہب کو مٹا دوں۔ پس ہمارا کانگریس سے اختلاف اِس وجہ سے ہے کہ یہ تحریک مذہب، تمدن، اقتصادیات، سوشل، تمدنی اور سیاسی عمارت کو بیخ و بُن سے اُکھیڑ دینے والی ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہوگئی تو انگریز تو ہندوستان سے چلے جائیں گے مگر امن بھی یہاں قائم نہیں ہو سکے گا کیونکہ اس کی تقویت کے ساتھ ساتھ ہر ایک کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ جس قانون کو تم نہ سمجھ سکو اسے توڑ ڈالو۔ سوشلزم کے بعض فرقے جن کا فرانس میں زیادہ زور رہا ہے خیال رکھتے تھے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے کوئی پیسہ نہیں خرچ کرنا چاہئے اور ریل کا سفر بغیر کسی کرایہ کے ہونا چاہئے۔ اسی طرح جائدادوں پر بھی کسی فرد کا قبضہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ سارا مال سب کے لئے ہے۔ کسی دکان پر گئے اور جو چیز پسند آئی اُٹھا کر جیب میں ڈالی اور چل دیئے۔ تو قانون شکنی کا خیال پیدا کر کے تمام حدیں ٹوٹ جاتی ہیں اِسی وجہ سے ہم کانگریس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہاں اگر وہ طریق چھوڑ دے جو ملک کے اخلاق اور مذہب کو برباد کرنے والے ہوں تو پھر تصفیہ حقوق کا سوال پیدا ہوگا وگرنہ وہ چونکہ زہر پھیلا رہے ہیں اس لئے خواہ وہ سارے کے سارے حقوق ہمارے حوالے کر دیں اور ہمارے تمام مطالبات تسلیم کر لیں پھر بھی ہم ان کی مخالفت ترک نہیں کر سکتے۔ ہاں جو اِن ذرائع کو جائز قرار دیتے ہیں اور صرف حقوق کی بناء پر مخالف ہیں ان سے ہم یہی کہیں گے کہ کانگریس کے ساتھ شامل ہونے سے قبل اس سے اپنے حقوق منوالو۔

باقی اگر اس سوال کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی ہندو انگریزوں سے بہتر نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں ایک عام قاعدہ یہ ہے کہ جو مصیبت پہلے انسان پر آتی ہے اسے تو وہ سہہ لیتا ہے لیکن نئی مصیبت زیادہ پریشانی کا موجب ہوتی ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے جو گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر تھے اور اب فوت ہو چکے ہیں اسی لطیفہ پر ایک دلچسپ مضمون لکھا تھا کہ انسان جس تکلیف کا عادی ہو جائے اسے تو وہ زیادہ محسوس نہیں کرتا لیکن نئی تکلیف کا احساس بہت زیادہ ہوتا ہے۔ انہوں نے حشر کے میدان کا نظارہ کھینچا ہے کہ ایک میدان ہے جہاں یہ اجازت ہے کہ لوگ اپنی پرانی بیماریاں چھوڑ کر نئی منتخب کر لیں جنہیں وہ اپنے لئے ہلکی سمجھیں۔ ہر شخص نے وہاں جس بیماری کو اپنے لئے ہلکا سمجھا، اختیار کر لیا اور اپنی پرانی بیماری کو وہاں چھوڑ دیا۔ جس کے سر میں درد تھی اس نے خیال کیا پیٹ کی درد اس سے اچھی ہے۔ انسان کا دماغ تو کام کر سکتا ہے اُس نے

پیٹ کی درد لی۔ جس کے پیٹ میں درد تھی اس نے سوچا سر درد اچھی ہے انسان اچھی طرح کھا پی تو سکتا ہے اُس نے پیٹ درد پھینک کر سر درد لے لی۔ مگر بیماریاں تبدیل کرنے کے بعد وہاں ایک کُہرام مچ گیا اور ہر ایک نے یہی شور مچانا شروع کر دیا کہ میری پہلی تکلیف ہی مجھے دے دی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس تکلیف میں انسان مبتلاء ہو چونکہ اس کا وہ عادی ہو جاتا ہے اور اس کے کئی علاج بھی اسے معلوم ہو جاتے ہیں اس لئے وہ اس قدر پریشان کن نہیں ہوتی لیکن نئی بیماریوں سے وہ گھبرا جاتا ہے۔ خطرناک سے خطرناک بیماریوں کے علاج دنیا میں موجود ہیں لیکن جب انفلوئنزا پھوٹا تو تمام معالج گھبرا گئے کیونکہ وہ ایک نئی بیماری تھی جس کے علاج سے وہ واقف نہ ہوئے تھے۔ اسی طرح ہم مان لیتے ہیں کہ انگریزوں کا وجود بھی ہندوستان کے لئے ایک بَلا ہے لیکن یہ بَلا پرانی ہو چکی ہے ہم اس سے واقف ہو چکے ہیں اور یہ ہم سے واقف ہے مگر جو بَلا نئی آئے گی وہ بوجہ ناواقفیت اس سے بہت زیادہ تکلیف دہ ہو گی۔ انگریز ایک تجربہ شدہ بَلا ہیں اور ہمیں اس کی برداشت کی عادت ہو چکی ہے پھر انگریز چونکہ غیر ملک کے رہنے والے ہیں وہ صلح کے لئے بھی جلد آمادہ ہو سکتے ہیں لیکن ہندوؤں میں یہ بات بھی نہیں۔ ابھی دیکھ لو انگریز تو صلح پر آمادگی کا اظہار کر رہے ہیں لیکن باوجودیکہ ہندوستان کو اس وقت تک ملا کچھ بھی نہیں ہندو مہاسبھا یہی کہتی ہے کہ مسلمانوں سے ہمیں صلح کی کوئی ضرورت نہیں وہ اگر نہیں مانتے تو نہ مانیں حالانکہ مہاسبھا محکوم ہے اور انگریز حاکم۔ تو باہر سے آئی ہوئی قوم عقل کی بات تسلیم کر لیتی اور دباؤ زیادہ مان لیتی ہے مگر اپنے ہی ملک کی اکثریت اس کی پراوہ نہیں کیا کرتی اور وہ زور سے حکومت کرتی ہے اس لئے ہندو خطرہ انگریزی خطرہ سے بہت بڑھ کر ہے اور ہر شخص جو محض الفاظ کا غلام نہ ہو اور حریت کے لفظ کے فریب میں آیا ہوا نہ ہو وہ تسلیم کرے گا کہ ہندوستان میں انگریزوں کا رہنا ہندوؤں کی حکومت سے بہتر اور مسلمانوں کے لئے فائدہ مند ہے۔ انگریز تو زیادہ سے زیادہ یہ کرتے ہیں کہ چند ایک بڑی بڑی نوکریاں ہندوستانیوں کو نہیں دیتے لیکن باقی ملازمتیں وہ دینے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ چپڑاسی، کلرک، پٹواری، نائب تحصیلدار، تحصیلدار، تھانیدار، پولیس کانسٹیبل وغیرہ وہ انگلستان سے نہیں لا سکتے۔ مگر ہندو مسلمانوں کو یہ بھی نہ دیں گے بلکہ ان کی کوشش تو یہ ہو گی کہ بھک منگا اور فقیر بھی کوئی مسلمان نہ ہو۔ ہندو ریاستوں میں جا کر دیکھ لو یہ فرق بآسانی معلوم ہو سکتا ہے۔ انگریزوں کے گھر میں جا کر ہم تبلیغ کر سکتے ہیں لیکن ہندو ریاستوں میں اس

سے روکا جاتا ہے۔ فتنہ ارتداد کے زمانہ میں بھرت پور کے سرکاری افسر شُدھی میں حصہ لیتے رہے ایک جگہ انہوں نے پاس کھڑے ہو کر اور لوگوں کو مجبور کر کے شُدھ کرایا لیکن اس کے بعد یہ احکام نافذ کر دیئے کہ یہاں کسی آریہ لیکچرار یا مسلمان مبلّغ کو آنے کی اجازت نہیں مگر معنی اس کے یہی تھے کہ مسلمان یہاں آ کر تبلیغ نہ کر سکیں۔ جب میں نے مبلّغ وہاں بھیجے تو ان کو یہی کہہ کر نکال دیا گیا کہ یہاں آریہ پرچارکوں کو بھی آنے کی اجازت نہیں اور مسلمان مبلّغ بھی نہیں آ سکتے اور گورنمنٹ کو بھی یہی لکھ دیا گیا کہ ہم نے امن قائم کرنے کے لئے دونوں جانب کے مبلّغوں کا داخلہ بند کر دیا ہے۔ اسی طرح الور میں ہوا وہاں کافی لوگوں کو شُدھ کر لیا گیا اور جب ہمارے آدمی وہاں پہنچے تو سیشن جج نے فیصلہ کر دیا کہ آریہ اور مسلمان دونوں اقوام کے مبلّغ یہاں سے چلے جائیں۔ بظاہر تو یہ حکم بہت ہی قرینِ انصاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے لئے ایک سا حکم جاری کیا گیا مگر درحقیقت یہ مسلمانوں سے صریح بے انصافی تھی۔ آریہ جب اپنا کام کر چکے تو انہیں آنے کی کیا ضرورت تھی اس کے تو یہی معنے تھے کہ مسلمان دوبارہ وہاں آ کر تبلیغ نہ کر سکیں۔ پس اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ انگریز اور ہندو دونوں بُرے ہیں تو بھی موجودہ مصیبت کو چھوڑ کر نئی اختیار کرنا عقلمندی نہیں۔ اگر انگریزوں سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں تب بھی وہ ہندوؤں کی مصیبت سے اچھے ہیں کیونکہ کم تعداد میں ہیں اور باہر سے آئے ہوئے ہیں لیکن ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ یہیں کے رہنے والے ہیں۔ انگریزوں سے اگر عدمِ تعاون کیا جائے تو وہ اس سے دب بھی سکتے ہیں۔ ابھی دیکھ لو تھوڑے ہی عرصہ سے ان کے کپڑے کا بائیکاٹ کیا گیا ہے اور وہ صلح کے لئے بے حد کوشش کر رہے ہیں لیکن اگر مسلمان ہندوؤں سے اس قسم کا سلوک کریں تو ان پر قطعاً کوئی اثر نہیں ہوگا کیونکہ یہاں ان کی اپنی تعداد اِس قدر کافی ہے کہ ان کے کام چل سکتے ہیں۔ پھر وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمان لمبا عرصہ مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ ایک تو ان کی تعداد کم ہے دوسرے ان کے پاس اس قدر سرمایہ نہیں۔ اس لئے یہ خیال غلط ہے کہ دونوں سے عدمِ تعاون برابر ہے۔ کیونکہ اوّل تو ہم تصفیہ حقوق کی وجہ سے کانگریس سے عدمِ تعاون نہیں کر رہے۔ پھر اگر ہندو اور کانگریس دونوں کو برابر تسلیم کر لیا جائے تو بھی ہندو انگریزوں سے اچھے نہیں ہو سکتے۔ انگریزوں نے تو کچھ حقوق مقرر کئے ہیں اور کہتے ہیں ہم آہستہ آہستہ یہ دے دیں گے لیکن ہندو تو مسلمانوں کو سرے سے ہی جواب دے رہے ہیں اور کہتے ہیں تمہارے حقوق ہی

کوئی نہیں ہندو مہا سبھا صاف انکار کر چکی ہے مگر انگریز تو کہتے ہیں تمہارے حقوق ہیں اور ہم ضرور دیں گے۔ پس بظاہر یہ دلیل جو خوبصورت نظر آتی ہے لیکن دراصل یہ صحیح نہیں۔

چونکہ پہلے مضمون پر میں تفصیل سے بول چکا ہوں اس لئے اس پر اور زیادہ اِس وقت نہیں بولتا ہاں اِس کے متعلق الفضل میں اعلان ہو جانا چاہئے کہ کانگریس والوں کی طرف سے اگر کوئی نئی بات پیش کی جائے یا میرے خطبات پر کوئی اعتراض ہو تو وہ لکھ بھیجا کریں تا میں اِس کا جواب دے دیا کروں۔ ممکن ہے۔ اِس کے متعلق خطبات کا سلسلہ تو شاید بند کرنا پڑے کیونکہ دیگر مذہبی امور بھی توجہ کے محتاج ہیں مگر تحریروں کے ذریعہ میں ضرور ان کے جوابات دیا کروں گا۔ میرے خیال میں ابھی ایک سوال بہت اہم ہے اور وہ یہ کہ آخر مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ میں اس کے متعلق ضرور کچھ بولنا چاہتا ہوں یا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مضامین کے ذریعہ اِس پر روشنی ڈالوں گا۔ ہاں احباب کو جو اعتراض نئے پیش آئیں یا میرے خطبات پر دوسروں کی طرف سے کوئی اعتراض ہوں وہ لکھ بھیجا کریں تا مضمون زیادہ مکمل ہو سکے۔

(الفضل ۱۲۔ جون ۱۹۳۰ء)

---

۱ الانفطار: ۲۰ ۲ الحج: ۴۱

۳ بخاری کتاب الجهاد و السیر باب من علق سیفه بالشجر فی السفر عند القائلة

۴ تذکرہ صفحہ ۳۹۷۔ ایڈیشن چہارم